اسلام اور مغرب کے علمی رجحانات

ڈاکٹر محمد وسیم

اسلامی بنیاد پرستی کا تصور ۱۹۸۰ء سے ایک علمی بحث کا مرکزی موضوع رہا ہے۔ اسلامی انتہاء پسند گروہوں کے ابھرنے کے ساتھ ہی اسلام اور مغرب کے مابین فرق کے حوالے سے پرانے اختلافات کو ہوا ملی۔ 9/11 کے واقعے کے بعد افغانستان اور عراق پر امریکی قیادت میں قبضے نے اس بحث کو اور زیادہ وسیع کر دیا۔ اسلام اور مغرب کے درمیان یہ نزاع بہت سے مخالفانہ جدلیات کا حامل ہے، جیسے عقلیت پسندی بمقابلہ شدت پسندی، جمہوریت بمقابلہ آمریت، جدیدیت بمقابلہ روایت پسندی اور تہذیب وتمدن بمقابلہ قدامت پرستی۔ سیاسی اور سماجی زندگی میں مذہب کی بڑھتی ہوئی اہمیت نے جدت پسندی کو چیلنج کر دیا ہے، جس کی بنیادی خصوصیت انکار خداوندی (Death of God) ہے۔ اس عمل کو عام طور پر خداؤں کی واپسی (Return of gods) کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسلام ازم کے بڑھتے ہوئے رجحان کے حوالہ سے عام طور پر دو قسم کی آراء ہیں۔ نام نہاد مستشرقین کا خیال ہے کہ اسلامی انتہا پسندی کے بڑھتے ہوئے رجحان کا سبب اسلام کی ثقافتی اقدار اور اس کی خصوصیات ہیں۔ ۱۹۸۰ء سے مستشرقین کی متنوع آراء پر بنی لٹریچر کی ایک بھرمار ہے جسے نو استشراق یا جدید استشراق کا نام دیا گیا ہے۔ پروفیسر ہنٹنگٹن کے نزدیک موجودہ تنازعہ اسلام اور مغرب کے تصور جمہوریت اور جدیدیت کے حوالے سے موجود تاریخی عدم موافقت کا تسلسل ہے۔ جب کہ برنارڈ لیوس کہتا ہے کہ اسلام ازم کی طرف سے مغرب کی مخالفت کے احساسِ ذلّت، حسد اور خوف کا ایک مرکب ہے۔ وہ مسلمانوں کے یورپ کے بارے میں غیظ وغضب کی حقیقی وجوہات کا تجزیہ کرتے ہوئے اس رائے کا اظہار کرتا ہے کہ شروع شروع میں مسلمان مغرب کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے جو بعد میں نفرت اور دشمنی میں تبدیل ہوگئی۔ لیوس اس کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ مغربی سرمایہ داری اور جمہوریت اسلام کی روایتی اقدار کے حوالے سے سب سے بڑا چیلنج بن کر ابھرے ہیں۔ اس نے مسلمان دنیا میں بڑھتے ہوئے امریکہ مخالف رجحان کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ امریکہ مغربی بلاک کا بلا مقابلہ قائد بن کر ابھرا ہے اور یوں مسلمانوں کی یورپ دشمنی کا بھی ہدف بنا ہے، جس کا ایک تاریخی پس منظر ہے۔ اسی طرح کا نقطہ نظر ایک اور مستشرق ڈینیئل پائپس کا ہے، اس کے خیال میں مسلمانوں میں مغرب مخالف رجحان رکھنے والے گروہوں کا تیزی سے پھیلنا مسلمانوں اور عیسائیوں کے ابتدائی دور کے تنازعے کا تسلسل ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان اپنی اقدار کے حوالے سے پریشان ہیں، جن کی جگہ مغربی اقدار لے رہی ہیں۔ مغرب کے مقابلہ میں شکست کا احساس اسلامی بیداری کے اس عمل کا حقیقی سبب ہے۔

مستشرقین نے اسلام کو جس طرح پیش کیا ہے، وہ اس کے بارے میں موجود ریاستی تصور کی حوصلہ افزائی کرتا اور مسلم معاشروں کے بارے میں موجود زندہ حقائق کو نظر انداز کرتا ہے۔ اس رو میں اسلام کو قبائلی معاشرت کا ایک ایسا توحید پرست مذہب قرار دیا گیا ہے، جہاں خود معاشرے کے اندر سے ایک دوسرے کے مخالف طاقتور عناصر کمزور عناصر کو چیلنج کرتے ہیں۔ نتیجتاً یہ استشراق اسلام کا ایک ایسا تصور پیش کرتا ہے، جو اپنی تمدنی اقدار کے ساتھ موجودہ ''تہذیبوں کے تصادم'' کا ذمہ دار ہے۔ اس نقطہ نظر کے مطابق اس کا علاج مسلمان معاشروں کو جدید اور مغرب زدہ بنانا ہے۔

> مسلمانوں میں مغرب مخالف رجحان رکھنے والے گروہوں کا تیزی سے پھیلنا مسلمانوں اور عیسائیوں کے ابتدائی دور کے تنازعے کا تسلسل ہے۔

مستشرقین کے اس نقطہ نظر پر مغربی اور غیر مغربی سکالرز نے شدید تنقید کی ہے۔ جو لوگ تصادم کی بجائے مفاہمت کے قائل ہیں، انہوں نے اسلام اور مغرب کے درمیان تاریخی اختلافات کے تسلسل کو یکسر مسترد کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک اسلام ازم کے رجحان کے بڑھنے میں بہت سے اندرونی اور بیرونی عوامل کارفرما ہیں۔ ہنٹر اس قسم کی سوچ رکھنے والے سکالرز کو نیو تھرڈ ورلڈسٹ کہتا ہے۔ اس نقطۂ نظر کے حامیوں نے مغرب مخالف اسلام ازم کی بنیادوں میں بہت سے سیاسی، معاشی اور تاریخی عوامل کی نشاندہی کی ہے۔ اس نے مزید یہ کہا ہے کہ مسلمانوں کے اندر مغرب کے بارے میں منفی سوچ کا ماخذ مغرب کا مسلم ممالک پر صدیوں پر محیط قبضہ ہے۔ موجودہ مغرب مخالف جذبات ان مسلمانوں میں بھی موجود ہیں جو سیکولر ہیں۔ مزید

یہ کہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے مسلم دنیا میں ہمیشہ آمر حکمرانوں کی مدد کی اور یہ بھی نفرت کا ایک سبب ہے۔ مفاہمت پسندوں کی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں اور مغرب کو قریب لایا جاسکتا ہے، بشرطیکہ مسلمانوں کے بارے میں مغرب کی پالیسیوں میں تبدیلی لائی جائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آج مسلمانوں اور مغرب میں تصورات کے اختلاف کا ایک سبب مفاہمت پسندوں کی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں اور مغرب کو قریب لایا جاسکتا ہے بشرطیکہ مسلمانوں کے بارے میں مغرب کی پالیسی تبدیل کی جائے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آج مغرب اور مسلمانوں کے تصورات کے اختلاف کا ایک سبب مسلمانوں کے کلاسیکی کتب کی تشریح وتعبیر پر مغرب کا غلبہ ہے۔ بجائے اس کے کہ ان کتب کے تناظر کو مسلمان معاشروں کے موجودہ سماجی حالات کے حوالے سے سمجھا جائے، یہ کوشش دورِ وسطیٰ کے ان خیالات کو ایک طرح پھر سے زیر بحث لانا ہے جو اس عہد کے اسلام اور مغربی عیسائیت دونوں میں داخلی جھکاؤ کے رجحان کے باعث پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح مغرب نے اسلام کو مذہب وسیاست میں وحدت کے حوالے سے سمجھا ہے، جو موجودہ مسلمان معاشروں کے حقائق سے متصادم ہے۔ مسلمان دنیا میں درحقیقت مذہب اور سیاست میں علیحدگی ہوچکی ہے اور یہ اندازِ فکر اس کا ادراک نہیں کرتا۔ مورٹیمر (Mortimer) کا خیال ہے کہ مغرب کو اسلام کے بجائے مسلمانوں کو سمجھنے پر زیادہ توجہ دینا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کا انفرادی اور اجتماعی سطح پر مغرب کے ساتھ اختلاط ہے جو ان کے تصورات کی صورت گری کرتا ہے۔ وہ اس بات پر بھی معترض ہے کہ مسلمانوں کی قدیم کتب اور لٹریچر سے اسلامی انقلابیوں کے محرکات کو سمجھا جائے۔

فریڈ ہالی ڈے نے اسلام اور مغرب کے درمیان قدیم تنازع کے تصور کو رد کرتے ہوئے ''اسلامی خطرے'' کو ایک افسانہ قرار دیا ہے۔ اس نے اسلامی بیداری کو مسلمانوں کے سیاسی، معاشی اور سماجی زوال سے منسلک کیا ہے۔ ہالی ڈے نے مزید یہ کہا کہ یہ صورت حال مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے عدم تحفظ کے احساس کی نشاندہی کرتی ہے۔ مزید برآں اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس جدید دنیا میں ''اسلام خطرے میں ہے'' کا مقبول نعرہ صحیح معنوں میں اسلامی بیداری کی بنیادوں کو واضح کرتا ہے۔ جمال ملک کے نزدیک مستشرقین اسلامک ریڈیکل ازم کو مذہب سے منسوب کرتے ہیں اور مسلم، غیر مسلم دنیاؤں کے اختلاط کے ہمہ جہتی عمل کو نظر انداز کردیتے ہیں۔ اس طرح مسلم انتہاپسندی کو ایک ایسے عمل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، جو خودکار ہے جبکہ مسلمان ملکوں میں حرکت پیدا کرنے کے لیے بنیادی شناختیں مرکزی کردار ادا کرتی ہیں اسی طرح پاکستان کی تاریخ اور سیاست جسے انتہاپسندی کا مرکز قرار دے کر نظر انداز کیا جاتا ہے، ایک مختلف کہانی سناتے ہیں۔ عالمی سطح پر احیائے اسلام کو جدیدیت کے ایک براہ راست نتیجہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ مارساف نے کہا ہے کہ اسلام کی مقبولیت کے بڑھتے ہوئے رجحان کی بنیادی وجہ معاشرے کے زرعی دور سے پوسٹ انڈسٹریل دور میں داخل ہونے سے جو خطرناک نتائج نکلے ہیں، ان کا ردعمل ہے۔ ایسے فسادزدہ حالات میں اسلام ہی سماجی انصاف کا آفاقی تصورِ زندگی معلوم ہوتا ہے۔ برگاٹ اور ڈوویل نے شمالی افریقہ میں ۱۹۷۰ء سے اسلامی انتہاپسندی کے بڑھتے ہوئے رجحان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ نوآبادیاتی دور کے تسلسل کا ردعمل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلامسٹ فرنچ کلچرل پھیلاؤ کو روکنے کے لیے اسلامی اصطلاحیں، لغت اور علامتوں کو استعمال کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ اسلام پسندوں کے نعرے کی مقبولیت کا انحصار اس تصور پر ہے کہ وہ مغرب کے اثر سے آلودہ نہ ہو۔ اسلامی بیداری کو نوآبادیت کے خاتمے کے بعد کے تیسرے مرحلے کے طور پر دیکھا جارہا ہے۔ تاہم اخوی نے اس بات کو مسترد کردیا ہے کہ اسلام اور مغرب کی کشمکش ناگزیر ہے۔ اس نے اپنے اس موقف کی تائید میں بہت سی مثالیں پیش کی ہیں کہ مسلمان اور غیر مسلم تاریخ میں اکھٹے رہ چکے ہیں۔ اس نے اٹھارویں صدی سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان علمی اور فلسفیانہ حوالے سے، جو تبادلۂ خیالات ہوئے ہیں، ان کی بھی نشاندہی کی ہے۔ مسلمانوں کی مغرب کے بارے میں سوچ پر تبصرہ کرتے ہوئے، اس نے کہا کہ مغرب کے غلبے کی صورت میں مسلمانوں کو سیاسی اور معاشی طور پر جو نقصان پہنچا ہے، اس کی یہی وجہ ہے۔ مسلمانوں اور مغرب کے درمیان موجود خلیج کو کم کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے مسائل کو حل کیا جائے اور فلسطین جیسے تنازعات کو ختم کرایا جائے۔

> مستشرقین نے اسلام کو جس طرح پیش کیا ہے وہ اس کے بارے میں موجود ریاستی تصور کی حوصلہ افزائی کرتا اور مسلم معاشروں کے بارے میں موجود زندہ حقائق کو نظر انداز کرتا ہے۔ اس رو میں اسلام کو قبائلی معاشرت کا ایک توحید پرست مذہب قرار دیا گیا ہے۔

اسلامی انتہاپسندی کے معاملے پر مغرب کے سکالرز دو گروہوں میں تقسیم ہیں۔ بعض اسے ایک غیر منقسم واحد عمل سمجھتے ہیں جبکہ بعض کے نزدیک یہ متنوع صورتوں کا حامل ہے۔ مستشرقین اسلامسٹوں کے درمیان موجود اختلافات کو غیر اہم سمجھتے ہیں۔ اسلامی انتہاپسندی کے حوالے سے انٹرنیشنل کرائسز گروپ (ICG) نے اپنی رپورٹ میں یہ کہا ہے کہ اسلامزم کو ایک غیر منقسم عمل سمجھنے کے حوالے سے جو تصورات پیش کیے جاتے ہیں وہ غلط ہیں۔ اس نے اپنی رپورٹ میں یہ کہا ہے کہ مستشرق اور تنوع کا انکار کرنے والے مسلمان، انتہاپسندوں کے ہاں موجود لائحہ عمل، مقاصد اور نقطہ نظر کے متنوع ہونے کو نظر اندار کرتے ہیں۔ ان کے تجزیوں کے مطابق مسلم انتہاپسندوں کے عام طور پر دو گروہ ہیں۔ اعتدال پسند اور انتہاپسند۔ یعنی ایک وہ گروہ ہے جس کے ساتھ مغرب کی کسی درجے میں افہام وتفہیم ہوسکتی اور دوسرا گروپ وہ ہے جس کے ساتھ یہ تعلق ممکن نہیں ہے۔

ICG نے اسلامی تحریکوں کی جامع رپورٹ میں سنی اسلامی تحریکیت کے تین رجحانات کا ذکر کیا ہے:

۱۔ سیاسی مذہبی تحریکیں: یہ تحریکیں تشدد کے نظریہ کے خلاف ہیں اور انکا مقصد پرامن انتخابی اور سیاسی حکمت عملی سے اقتدار کا حصول ہے، جیسے عرب دنیا میں الاخوان المسلمون۔

۲۔ احیائی اور بنیاد پرست تبلیغی تحریکیں: یہ اسلامی عقائد کی بقا کے لیے تبلیغ میں مصروف رہتی ہیں، جیسے تبلیغی جماعت۔

۳۔ عرب سلفی تحریکیں اور جہادی تنظیمیں: یہ تشدد کو جائز سمجھتی ہیں اور اسے کافر دشمنوں سے اسلامی ممالک کا دفاع قرار دیتی ہیں۔

اس رپورٹ میں شیعہ تحریک کے ساتھ موازنہ بھی کیا گیا ہے جو علماء اور مذہبی طبقے کی قیادت میں زیادہ متحرک اور یک جان دکھائی دیتی ہے۔

اس سوال کے جواب میں کہ اسلامی ریڈیکل ازم کے جواب میں کیا مناسب حکمت عملی اختیار کی جانی چاہیے، دو نقطہ ہائے نظر سامنے آئے ہیں۔ ایک کو مفاہمت پسند اور دوسرے کو تصادم پسند کہا جا سکتا ہے۔

مستشرقین کی حکمت عملی یہ ہے کہ مسلم انتہا پسندوں کے ساتھ عدم تعلق رکھتے ہوئے انہیں سیاسی عمل سے دور رکھا جائے۔ مارٹن کریمر نے یہ کہا کہ مسلم انتہا پسندوں کے ساتھ کوئی سمجھوتہ اور مطابقت نہیں ہوسکتی۔ جو سکالرز اس طرح کے مناظر پیش کرتے ہیں، کریمر انہیں معذرت خواہانہ رویے کا حامل (apologists) قرار دیتا ہے۔ اس کا یہ بھی خیال ہے کہ اسلامی ریڈیکل ازم کی موجودہ لہر ایک کمزور عمل ہے اور اگر اس سے درست طور پر نمٹا جائے تو یہ خود بخود ختم ہو جائے گی۔ ان نظریات کا ڈینئیل پائپس نے تجزیہ کرتے ہوئے مسلم انتہا پسندوں سے نمٹنے کے حوالے سے مضبوط پالیسی اپنانے کی ضرورت پر دلائل دیئے۔ پائپس نے یہ کہا ہے کہ امریکہ کو چاہئے کہ وہ کسی بھی مسلم عسکریت پسند گروپ کو کہیں اقتدار میں نہ آنے دے۔ کیونکہ پھر ایسی حکومت کو ختم کرنا بہت مشکل ہوگا، جیسے موجودہ ایرانی حکومت۔ مزید برآں اس نے یہ کہا کہ امریکہ کو ایسی مسلمان حکومتوں کی مدد کرنی چاہئے، جنھیں اسلامی عسکریت پسندی کا سامنا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلم دنیا میں جمہوریت کو آہستہ آہستہ متعارف کرایا جائے تا کہ اس طرح انتہا پسندوں کو ابھرنے کا موقع نہ مل سکے۔

دوسری طرف مفاہمت و مطابقت پسندوں نے مسلم دنیا کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے کے حوالے سے جامع پالیسیاں اختیار کرنے کے حق میں دلائل دیئے ہیں۔ ان کے اور مستشرقین کے درمیان اختلاف کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ مفاہمت پسند اس کی سفارش کرتے ہیں کہ اسلامزم کو یہ موقع دیا جائے کہ وہ جدیدیت کی طرف رجوع کرے۔ 9/11 کے بعد امریکہ نے متعدد پالیسیاں اختیار کی ہیں، جیسے قبضے کے ذریعے حکومتوں کی تبدیلی، مشرق وسطیٰ میں جمہوریت کا فروغ اور مسلم دنیا میں تعلیمی اصلاحات، جن سے مغرب اور مسلم دنیا کے مابین موجود نظریات کے اختلاف کو وسیع کیا ہے۔

ڈاکٹر محمد وسیم: لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز (LUMS) میں بین الاقوامی تعلقات کے استاد ہیں۔

امریکا: ایک مسلمان ادارے کے بک سٹال پر رکھے گئے قرآن مجید اور دینی کتب سے اہل مغرب کی دلچسپی